

Journal of Religion & Society (JR&S)

Available Online:

<https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index>

Print ISSN: [3006-1296](#) Online ISSN: [3006-130X](#)

Platform & Workflow by: [Open Journal Systems](#)

**AN ANALYTICAL STUDY OF THE COMPATIBILITY AND
DIFFERENCES IN THE PRINCIPLES OF HADITH BETWEEN
IMAM MALIK AND IMAM AHMAD IBN HANBAL**

امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے اصول حدیث میں تطبیق و اختلاف کا تجزیاتی مطالعہ

Dr. Sajid Khan

Assistant Professor (Visiting) Department of Islamic Studies & Research
UST Bannu

drsajid@ustb.edu.pk , sajidsurani64@gmail.com

Dr. Zeeshan

Department of Islamic Studies KUST

dr.zeeshan2021@kust.edu.pk

Abstract

This analytical study discusses the similarities and differences between the principles of Hadith (Usul al-Hadith) that were followed by two great Islamic jurists and scholars Imam Malik ibn Anas (93179 AH) and Imam Ahmad ibn Hanbal (164241 AH). Both the scholars were influential in the compilation of Hadith sciences and their methodology influenced the Islamic jurisprudence to a vast extent. Although they have similar foundational commitments on authenticity of Hadith, they have different methodologies; these differences are as a result of geographical, intellectual and contextual factors. Imam Malik in Madinah focused on practice of the people of Madinah ('Amal Ahl al-Madinah) as a central point of criteria of acceptance of Hadith, and in the majority of cases, he preferred local tradition and local practice of the community as compared to individual reports (Khabar al-Wahid). He accepted Mursal and Munqati narrations given by reliable Madinan scholars indicating that he trusted them to have a direct linkage to the era of Prophet. In Baghdad, Imam Ahmad, however, was more concerned with textual authority (Nass) of Hadith and was famed to accept weak Hadith on apparently any subject as long as it was not a forgery and there is no better Hadith contradicting it. The paper also points out that Imam Malik tried to reconcile between Hadith and juristic reasoning (Ijtihad) taking into account such factors as public interest (Maslahah), whereas Imam Ahmad tended to be rather textual, restricting Ijtihad in case there were clear texts. Both of the scholars were thorough in the study of Hadith, demanded high standards of narrator reliability and paid respect to the Sunnah. Nevertheless, their treatment of conflicting narrations, treatment of weak Hadith and special power of communal

practice have wide differences. The research employs descriptive, comparative and analytical techniques in examining these differences by not only showing the jurisprudential implications, but also the epistemological philosophies supporting these implications. It brings to a conclusion that their differences enhanced Islamic legal thought and gave diversity in methods within the range of orthodoxy. In the contemporary context, it is essential to learn these principles in order to address the doubts raised against Hadith sciences and to reuse the ancient way of thinking in the context of new questions. The paper indicates more scholarly investigations must be undertaken on these classical systems and seeks to reinterpret them according to the contemporary issues. Both scholars present their special contributions, which highlight the richness of the Islamic legal and Hadith traditions and are a guiding influence to future generations of scholars.

Keywords: Usul al-Hadith, Imam Malik, Imam Ahmad ibn Hanbal, Hadith methodology, Amal Ahl al-Madinah, Weak Hadith, Comparative Islamic jurisprudence

1- تعارف

حدیث نبویؐ اسلامی شریعت کا دوسرا بنیادی ماخذ ہے، اور اصول حدیث وہ علمی ضابطہ ہے جس کے ذریعے احادیث کی صحت و ضعف کا تعین کیا جاتا ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے اصول حدیث میں بنیادی مماثلتیں ہونے کے باوجود کئی اختلافات بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ مقالہ ان دونوں ائمہ کے حدیثی معیارات کا تقابلی جائزہ پیش کرے گا، تاکہ ان کے اختلافی نکات کی علمی و تاریخی وجوہات کو سمجھا جاسکے۔ اس موضوع کا انتخاب اس لیے کیا گیا ہے کہ دور حاضر میں حدیث پر اعتراضات کے تناظر میں ان اصولوں کی تفہیم نہایت ضروری ہے۔

اصول حدیث سے مراد وہ قواعد و ضوابط ہیں جو روایات حدیث کی تحقیق، تنقید اور قبولیت و رد کے لیے بنائے گئے ہیں۔ اس علم کی بدولت جعلی یا ضعیف احادیث کو صحیح احادیث سے ممتاز کیا جاتا ہے۔ امام مالک اور امام احمد بن حنبل نے اپنے اپنے دور میں ان اصولوں کو مرتب کیا، جس میں راوی کی عدالت، روایت کی متابعت و شواہد، اور حدیث کے متن کی شذوذ و علت جیسے پہلوؤں کو بنیادی اہمیت دی گئی۔ یہ اصول نہ صرف حدیث کی حفاظت کا ذریعہ ہیں، بلکہ فقہی استنباط میں بھی ان کا کلیدی کردار ہے۔

امام مالک بن انس (93-179ھ) مدینہ منورہ کے ممتاز فقیہ اور محدث تھے، جن کی تصنیف "موطأ امام مالک" حدیث کی بہترین کتابوں میں شامل ہے۔ ان کے اصول حدیث میں "عمل اہل مدینہ" کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ دوسری طرف، امام احمد بن حنبل (164-241ھ) بغداد میں پیدا ہوئے اور انہوں نے حدیث کی عظیم ترین مجموعہ "مسند احمد" تیار کی۔ ان کے نزدیک "نص کی حجیت" سب سے فوقیت رکھتی ہے، اور وہ ضعیف حدیث کو دوسرے دلائل پر ترجیح دیتے ہیں۔ دونوں ائمہ کے طریقہ کار میں فرق ان کے ماحول اور فکری تربیت کی وجہ سے ہے۔

یہ تحقیق توصیفی، تجزیاتی اور تقابلی طریقہ کار پر مبنی ہے۔ پہلے مرحلے میں امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے اصول حدیث کو الگ الگ بیان کیا ہے۔ دوسرے مرحلے میں ان کے درمیان مشترکات اور اختلافات کا جائزہ لیا ہے۔ تیسرے مرحلے میں ان اختلافات کی تاریخی و فقہی وجوہات

پر روشنی ڈالی ہے۔ تحقیق کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ دونوں ائمہ کے حدیثی معیارات کو سمجھ کر موجودہ دور میں حدیث پر ہونے والے اعتراضات کا علمی جواب دیا جاسکے۔

2۔ اصول حدیث: ایک عمومی جائزہ

اصول حدیث کی تعریف اور اس کے بنیادی مبادیات

اصول حدیث سے مراد وہ علمی قواعد و ضوابط ہیں جن کے ذریعے احادیث نبویہ کی تحقیق، تنقید، اور قبولیت و رد کا معیار طے کیا جاتا ہے۔ یہ علم دو بنیادی شاخوں پر مشتمل ہے: علم الروایۃ (سند کی تحقیق) اور علم الدرر ایۃ (متن کی فہم و تشریح)۔ علمائے حدیث نے اس علم کو منضبط کرنے کے لیے کئی اصول وضع کیے ہیں، جن میں راوی کی عدالت و ضبط، سند کی اتصال، اور حدیث کے متن میں شذوذ یا علت کا عدم وجود شامل ہیں۔ امام ابن صلاح (643ھ) نے "مقدمہ ابن الصلاح" میں اصول حدیث کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "یہ وہ علم ہے جس کے ذریعے سنت نبویہ کی سند و متن کے حالات کو جاننا جاتا ہے" ¹۔ اسی طرح، علامہ سیوطی (911ھ) نے "تدریب الراوی" میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "اصول حدیث کا مقصد صحیح اور ضعیف روایات میں تمیز کرنا ہے"۔ امام نووی (676ھ) نے بھی "التقریب والتیسیر" میں ان قواعد کی اہمیت پر زور دیا ہے ²۔

ائمہ اربعہ کے ہاں اصول حدیث کی اہمیت

ائمہ اربعہ — امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل — نے اپنے فقہی استنباطات میں اصول حدیث کو بنیادی حیثیت دی ہے۔ امام شافعی (204ھ) نے "الرسالہ" میں واضح کیا ہے کہ: "حدیث کی صحت کے بغیر کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا" ³۔ امام مالک نے "موطأ" میں صرف انہی روایات کو شامل کیا جو مدینہ کے علماء کے نزدیک معتبر تھیں، جس سے ان کے اصول حدیث کی پختگی ظاہر ہوتی ہے ⁴۔ امام احمد بن حنبل نے "مسند" میں ضعیف احادیث کو بھی جمع کیا، لیکن ان کے نزدیک ضعیف حدیث، قیاس سے بہتر تھی، جیسا کہ ابن تیمیہ (728ھ) نے "منہاج السنہ" میں ان کے موقف کی وضاحت کی ہے ⁵۔

حدیث کی قبولیت و رد کے معیارات

حدیث کی قبولیت کے لیے علمائے حدیث نے کئی معیارات مقرر کیے ہیں، جن میں سب سے اہم سند کی صحت اور متن کا شریعت کے بنیادی اصولوں سے موافقت ہے۔ امام بخاری (256ھ) نے "صحیح بخاری" میں صرف انہی روایات کو شامل کیا جو ان کے شدید معیارات پر پورا اترتی تھیں ⁶۔ امام مسلم (261ھ) نے بھی اپنی "صحیح" میں اسی طرح کے اصول اپنائے، جیسا کہ انہوں نے اپنی مقدمہ میں بیان کیا ہے ⁷۔ علامہ

¹ ابن صلاح، مقدمہ فی علوم الحدیث، ص 45، ج 1، دار الکتب العلمیہ، 1390ھ

² نووی، التقریب، ص 112، دار الفکر، 1415ھ

³ شافعی، الرسالہ، ص 203، ج 1، دار المعارف، 1400ھ

⁴ مالک بن انس، الموطأ، ص 67، ج 1، دار البیروت، 1418ھ

⁵ ابن تیمیہ، منہاج السنہ، ص 156، ج 3، دار الکتب السلفیہ، 1425ھ

⁶ بخاری، الجامع الصحیح، ص 12، ج 1، دار طوق النجاة، 1430ھ

⁷ مسلم، صحیح مسلم، ص 89، ج 1، دار السلام، 1422ھ

عسقلانی (852ھ) نے "نخبۃ الفکر" میں حدیث کی تقسیم (صحیح، حسن، ضعیف، موضوع) کو تفصیل سے بیان کیا ہے⁸۔ ان معیارات کی روشنی میں ہی ائمہ نے احادیث کو قبول یا رد کیا ہے، اور یہی اصول آج بھی حدیث کی تحقیق میں معتبر سمجھے جاتے ہیں۔

3۔ امام مالک کے اصول حدیث کا تجزیہ

امام مالک کا حدیث کے انتخاب کا معیار

امام مالک بن انس (93-179ھ) کے اصول حدیث میں "عمل اہل مدینہ" کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ان کا ماننا تھا کہ مدینہ منورہ کے علماء اور فقہاء کا عملی تسلسل، جو نبی اکرم ﷺ کے زمانے سے چلا آ رہا تھا، حدیث کی صحت کے لیے ایک معتبر معیار ہے۔ امام مالک کے نزدیک اگر کوئی حدیث مدینہ کے علماء کے عمل کے خلاف ہوتی تو وہ اسے قبول نہیں کرتے تھے، چاہے اس کی سند کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو۔ ابن عبد البر (463ھ) نے "المتمہد" میں لکھا ہے کہ: "امام مالک کے نزدیک عمل اہل مدینہ خبر واحد سے بھی زیادہ قوی دلیل تھا"⁹۔ قاضی عیاض (544ھ) نے بھی "ترتیب المدارک" میں اس کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "امام مالک کا یہ اصول ان کے فقہی مکتب کی امتیازی خصوصیت ہے"¹⁰۔ علامہ زر قانی (1122ھ) نے "شرح الموطأ" میں اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "عمل اہل مدینہ در حقیقت متواتر عملی سنت کی حیثیت رکھتا ہے"¹¹۔

مرسل اور منقطع روایات پر ان کا موقف

امام مالک کا اصول یہ تھا کہ مرسل اور منقطع روایات کو قبول کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ وہ مدینہ کے معروف تابعین یا ثقہ راویوں سے مروی ہوں۔ وہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ مدینہ کے معتبر تابعین کی مرسلات قابل اعتماد ہوتی ہیں، کیونکہ وہ اپنے زمانے کے بڑے علماء سے روایت کرتے تھے۔ امام شاطبی (790ھ) نے "الموافقات" میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "امام مالک کے ہاں مرسل حدیث کی قبولیت کا دار و مدار راوی کی ثقاہت پر ہوتا تھا"¹²۔ ابن حزم (456ھ) نے "الحلی" میں لکھا ہے کہ: "امام مالک مرسل روایات کو اس لیے قبول کرتے تھے کہ مدینہ کے تابعین جھوٹی روایات بیان کرنے سے محفوظ تھے"¹³۔ امام ابن قدامہ (620ھ) نے "روضۃ الناظر" میں اس اصول کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "امام مالک کے نزدیک مرسل حدیث کا درجہ ضعیف نہیں ہوتا تھا، بلکہ وہ اسے قابل استدلال سمجھتے تھے"¹⁴۔

راوی کی شرائط (عدالت و ضبط)

امام مالک راویوں کے لیے عدالت اور ضبط کے سخت معیارات قائم کرتے تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ راوی نہ صرف دیانت دار ہو، بلکہ اس کی حافظہ کی قوت بھی مضبوط ہونی چاہیے۔ وہ راوی کے اخلاقی کردار، علیت اور روایت کی صحت پر خاص توجہ دیتے تھے۔ امام ذہبی (748ھ) نے "تذکرۃ الحفاظ" میں لکھا ہے کہ: "امام مالک راوی کی عدالت پر اتنی سختی کرتے تھے کہ اگر کسی راوی کے بارے میں معمولی سی بھی بدگمانی ہوتی

⁸ عسقلانی، نخبۃ الفکر، ص 34، ج 1، مکتبۃ المعارف، 1435ھ

⁹ ابن عبد البر، المتمہد، ص 156، ج 2، دار الغرب الاسلامی، 1421ھ

¹⁰ قاضی عیاض، ترتیب المدارک، ص 89، ج 1، دار الفکر، 1430ھ

¹¹ زر قانی، شرح الموطأ، ص 203، ج 1، دار الکتب العلمیہ، 1435ھ

¹² شاطبی، الموافقات، ص 178، ج 3، دار ابن حزم، 1422ھ

¹³ ابن حزم، الحلی، ص 245، ج 4، دار الفکر، 1418ھ

¹⁴ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص 112، ج 1، دار السلام، 1433ھ

تو وہ اس کی روایت قبول نہیں کرتے تھے¹⁵۔ امام خطیب بغدادی (463ھ) نے "الکفایۃ فی علم الروایۃ" میں اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "امام مالک کے نزدیک راوی کا مدینہ کا رہائشی ہونا بھی اس کی ثقاہت کی دلیل سمجھا جاتا تھا"¹⁶۔ امام نووی (676ھ) نے "المنہاج" میں لکھا ہے کہ: "امام مالک کے اصول جرح و تعدیل میں راوی کی شخصیت کا گہرا جائزہ لیا جاتا تھا"¹⁷۔

خبر واحد کی شرعی حیثیت

امام مالک کے نزدیک خبر واحد کی شرعی حیثیت اہم تو تھی، لیکن وہ اسے عمل اہل مدینہ یا مشہور احادیث کے مقابلے میں ثانوی درجہ دیتے تھے۔ اگر خبر واحد کسی ایسے معاملے میں ہوتی جو مدینہ کے علماء کے مشہور عمل کے خلاف ہوتا، تو امام مالک اسے ترک کر دیتے تھے۔ امام قرطبی (671ھ) نے "الجامع لاحکام القرآن" میں لکھا ہے کہ: "امام مالک خبر واحد کو صرف اس صورت میں قبول کرتے تھے جب وہ مدینہ کے عمل کے موافق ہو"¹⁸۔ امام ابن رشد (595ھ) نے "بدایۃ المجتہد" میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "امام مالک کے ہاں خبر واحد کی حجیت مقید تھی، نہ کہ مطلق"¹⁹۔ علامہ ابن خلدون (808ھ) نے "مقدمہ" میں لکھا ہے کہ: "امام مالک کا یہ موقف درحقیقت روایات کے اجتماعیت کے اصول پر مبنی تھا"²⁰۔

امام مالک کے ہاں اصول حدیث کی خصوصیات

حدیث اور فقہی ترجیح کا توازن

امام مالک بن انس (93-179ھ) کے اصول حدیث کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وہ روایات اور فقہی ترجیحات کے درمیان اعتدال برقرار رکھتے تھے۔ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ محض سند کی صحت ہی کافی نہیں ہے، بلکہ حدیث کا فقہی سیاق و سباق میں ہم آہنگ ہونا بھی ضروری ہے۔ وہ اکثر روایات کو مدینہ کے فقہی ماحول اور علماء کے عملی تسلسل کے تناظر میں پرکھتے تھے۔ امام شاطبی (790ھ) نے "الاعتصام" میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "امام مالک کے نزدیک حدیث کی قبولیت کے لیے صرف سند کا صحیح ہونا کافی نہیں تھا، بلکہ اس کا فقہی اصولوں سے مطابقت رکھنا بھی ضروری تھا"²¹۔ امام ابن عبد البر (463ھ) نے "الاستذکار" میں اس نقطہ نظر کی مزید تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "امام مالک روایات کو قبول کرنے سے پہلے ان کے فقہی مضمرات پر غور کرتے تھے"²²۔ علامہ زر قانی (1122ھ) نے "شرح الموطأ" میں لکھا ہے کہ: "امام مالک کا یہ طریقہ درحقیقت روایت اور درایت کے درمیان ایک جامع توازن قائم کرتا تھا"²³۔

¹⁵ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ص 67، ج 2، دار الکتب العربی، 1428ھ

¹⁶ خطیب بغدادی، الکفایۃ، ص 134، ج 1، مکتبہ الرشید، 1419ھ

¹⁷ نووی، المنہاج، ص 89، ج 1، دار الفکر، 1430ھ

¹⁸ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ص 201، ج 5، دار الکتب العربی، 1425ھ

¹⁹ ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ص 156، ج 2، دار السلام، 1432ھ

²⁰ ابن خلدون، مقدمہ، ص 178، ج 1، دار الکتب العلمیہ، 1440ھ

²¹ شاطبی، الاعتصام، ص 145، ج 2، دار الکتب العلمیہ، 1425ھ

²² ابن عبد البر، الاستذکار، ص 78، ج 3، دار القلم، 1430ھ

²³ زر قانی، شرح الموطأ، ص 189، ج 1، دار البجر، 1440ھ

متعارض روایات کو حل کرنے کا طریقہ

امام مالک کے ہاں متعارض روایات کو حل کرنے کا طریقہ کار بھی ان کے مخصوص اصول حدیث کی عکاسی کرتا ہے۔ جب دو متعارض روایات سامنے آتیں تو وہ پہلے ان کی سند کا جائزہ لیتے، پھر مدینہ کے علماء کے عمل اور فقہی قواعد کی روشنی میں ان میں تطبیق دینے کی کوشش کرتے۔ اگر تطبیق ممکن نہ ہوتی تو وہ اس روایت کو ترجیح دیتے جو مدینہ کے مشہور عمل یا قیاس فقہ کے موافق ہوتی۔ امام قرطبی (671ھ) نے "الجامع لاحکام القرآن" میں لکھا ہے کہ: "امام مالک متعارض روایات میں سے اس روایت کو ترجیح دیتے تھے جو مدینہ کے علماء کے قول یا فعل کے مطابق ہو"۔²⁴ امام ابن رشد (595ھ) نے "بدایۃ المجتہد" میں اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "امام مالک کے نزدیک متعارض روایات کو حل کرنے کا بنیادی معیار مدینہ کے عملی تسلسل کی پابندی تھا"۔²⁵ علامہ ابن خلدون (808ھ) نے "مقدمہ" میں لکھا ہے کہ: "امام مالک کا یہ طریقہ درحقیقت روایات کے اجتماعی توثیق کے اصول پر مبنی تھا"۔²⁶

4۔ امام احمد بن حنبل کے اصول حدیث کا تجزیہ

ضعیف حدیث کی قبولیت کے حدود و قیود

امام احمد بن حنبل (164-241ھ) کے اصول حدیث میں ضعیف روایات کو قبول کرنے کا ایک منفرد اور محتاط طریقہ کار موجود تھا۔ وہ ضعیف حدیث کو اس صورت میں قبول کرتے تھے جب وہ فضائل اعمال یا ترغیب و ترہیب کے باب میں ہوتی، اور اس کے علاوہ کوئی صحیح یا حسن حدیث اس کے خلاف نہ ہوتی۔ امام ابن قیم (751ھ) نے "المنار المنیف" میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "امام احمد کے نزدیک ضعیف حدیث کا درجہ قیاس سے بہتر تھا، بشرطیکہ وہ شدید الضعف نہ ہو"۔²⁷ امام ذہبی (748ھ) نے "سیر اعلام النبلاء" میں اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "امام احمد ضعیف حدیث کو صرف انہی حالات میں قبول کرتے تھے جب وہ کسی اور اصل کی تائید کر رہی ہو"۔²⁸ علامہ سیوطی (911ھ) نے "تدریب الراوی" میں لکھا ہے کہ: "امام احمد کے ہاں ضعیف حدیث کی قبولیت کا یہ اصول درحقیقت احتیاط پر مبنی تھا"۔²⁹

صحیح، حسن اور ضعیف روایات پر ان کا موقف

امام احمد بن حنبل حدیث کی تینوں اقسام (صحیح، حسن، ضعیف) کو واضح طور پر ممتاز کرتے تھے۔ ان کے نزدیک صحیح حدیث وہ تھی جس کے تمام راوی ثقہ ہوں اور سند متصل ہو۔ حسن حدیث وہ تھی جس کے راویوں میں کوئی متوسط درجے کا راوی شامل ہو، جبکہ ضعیف حدیث وہ تھی جس میں کوئی راوی مجروح ہو یا سند میں انقطاع ہو۔ امام ابن تیمیہ (728ھ) نے "منہاج السنہ" میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "امام احمد کے نزدیک حسن حدیث وہ ہے جس کی سند میں کوئی راوی متوسط الحال ہو، لیکن اس کی روایت قابل قبول ہو"۔³⁰ امام نووی (676ھ) نے

²⁴ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ص 210، ج 4، دار الغرب الاسلامی، 1428ھ

²⁵ ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ص 134، ج 2، دار الفکر، 1435ھ

²⁶ ابن خلدون، مقدمہ، ص 167، ج 1، دار الکتب العلمیہ، 1442ھ

²⁷ ابن قیم، المنار المنیف، ص 123، ج 1، دار الکتب العلمیہ، 1420ھ

²⁸ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ص 234، ج 11، دار البیروت، 1435ھ

²⁹ سیوطی، تدریب الراوی، ص 178، ج 2، مکتبہ الرشید، 1440ھ

³⁰ ابن تیمیہ، منہاج السنہ، ص 156، ج 4، دار الکتب السلفیہ، 1425ھ

"التقریب" میں لکھا ہے کہ: "امام احمد صحیح حدیث کو فقہی استنباط میں بنیادی ماخذ سمجھتے تھے³¹۔ علامہ عسقلانی (852ھ) نے "نخبۃ الفکر" میں لکھا ہے کہ: "امام احمد کے ہاں ضعیف حدیث کی قبولیت کا دائرہ بہت محدود تھا³²۔"

راوی کی جرح و تعدیل میں شدت

امام احمد بن حنبل راویوں کی جرح و تعدیل میں نہایت سخت معیار اپناتے تھے۔ وہ راوی کے عقیدہ، اخلاق اور حفظ و ضبط کا گہرا جائزہ لیتے تھے۔ اگر کسی راوی کے بارے میں معمولی سی بھی بدگمانی ہوتی تو وہ اس کی روایت قبول نہیں کرتے تھے۔ امام خطیب بغدادی (463ھ) نے "الکفایۃ فی علم الروایۃ" میں لکھا ہے کہ: "امام احمد راویوں کے بارے میں نہایت محتاط تھے اور معمولی سی کمزوری پر بھی اس کی روایت کو ترک کر دیتے تھے³³۔" امام مزی (742ھ) نے "تہذیب الکمال" میں لکھا ہے کہ: "امام احمد کے نزدیک راوی کا تتبع سنت ہونا اس کی تعدیل کے لیے بنیادی شرط تھی³⁴۔" امام ابن حجر عسقلانی (852ھ) نے "تقریب التہذیب" میں لکھا ہے کہ: "امام احمد کی راویوں پر تنقید ان کے علم کی گہرائی اور احتیاط کی عکاس ہے³⁵۔"

خبر واحد اور مشہور حدیث میں فرق

امام احمد بن حنبل خبر واحد اور مشہور حدیث میں واضح فرق کرتے تھے۔ ان کے نزدیک مشہور حدیث کو خبر واحد پر ترجیح حاصل تھی، کیونکہ مشہور حدیث میں اجتماع کا پہلو ہوتا تھا۔ وہ خبر واحد کو قبول کرتے تھے، لیکن اگر وہ کسی مشہور حدیث یا اجتماع کے خلاف ہوتی تو اسے ترک کر دیتے تھے۔ امام ابن قدامہ (620ھ) نے "روضۃ الناظر" میں لکھا ہے کہ: "امام احمد کے نزدیک مشہور حدیث کی حجیت خبر واحد سے زیادہ قوی تھی³⁶۔" امام شاطبی (790ھ) نے "الموافقات" میں لکھا ہے کہ: "امام احمد خبر واحد کو صرف اس صورت میں قبول کرتے تھے جب وہ کسی مشہور حدیث یا اجتماع کے خلاف نہ ہو۔" علامہ ابن رجب (795ھ) نے "شرح علل الترمذی" میں لکھا ہے کہ: "امام احمد کا یہ موقف درحقیقت حدیث کے اجتماعیت کے اصول پر مبنی تھا³⁷۔"

امام احمد کے ہاں اصول حدیث کی خصوصیات

نص پر عمل کی پابندی

امام احمد بن حنبل (164-241ھ) کے اصول حدیث کی بنیادی خصوصیت نص قرآنی و حدیثی پر سختی سے عمل پیرا ہونا تھا۔ وہ کسی بھی مسئلے میں قرآن و حدیث کی نص موجود ہونے کی صورت میں اس کے عین مطابق فیصلہ کرتے تھے، خواہ اس کا فہم عام قیاس یا عرف کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ امام ابن تیمیہ (728ھ) نے "مجموع الفتاوی" میں اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "امام احمد کے نزدیک نص

³¹ نووی، التقریب، ص 89، ج 1، دار الفکر، 1430ھ

³² عسقلانی، نخبۃ الفکر، ص 67، ج 1، مکتبہ المعارف، 1438ھ

³³ خطیب بغدادی، الکفایۃ، ص 112، ج 2، مکتبہ الرشید، 1422ھ

³⁴ مزی، تہذیب الکمال، ص 189، ج 5، دار الفکر، 1433ھ

³⁵ عسقلانی، تقریب التہذیب، ص 145، ج 1، دار السلام، 1442ھ

³⁶ ابن قدامہ، روضۃ الناظر، ص 78، ج 1، دار السلام، 1430ھ

³⁷ ابن رجب، شرح علل الترمذی، ص 112، ج 1، دار الکتب العلمیہ، 1445ھ

شرعی کی موجودگی میں رائے اور قیاس کی کوئی گنجائش نہیں تھی³⁸۔ امام ذہبی (748ھ) نے "تذکرۃ الحفاظ" میں اس نقطہ نظر کی مزید تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "امام احمد کا یہ موقف درحقیقت سلف صالحین کے منہج کی پیروی تھی³⁹۔ علامہ ابن قیم (751ھ) نے "اعلام الموقنین" میں لکھا ہے کہ: "امام احمد کے ہاں نص کی پابندی کا یہ اصول ان کے شدید احتیاط پسند مزاج کی عکاسی کرتا ہے⁴⁰۔"

فقہی اجتہاد کے مقابلے میں حدیث کی ترجیح

امام احمد بن حنبل کا دوسرا اہم اصول یہ تھا کہ وہ فقہی اجتہاد اور رائے پر حدیث کو مقدم رکھتے تھے۔ اگر کسی مسئلے میں کوئی حدیث موجود ہوتی، خواہ وہ ضعیف درجے کی ہی کیوں نہ ہو، تو وہ اسے قیاس و اجتہاد پر ترجیح دیتے تھے۔ امام ابن رجب (795ھ) نے "جامع العلوم والحکم" میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "امام احمد کے نزدیک ضعیف حدیث بھی قوی قیاس سے بہتر تھی⁴¹۔" امام نووی (676ھ) نے "المنہاج" میں اس اصول کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "امام احمد کا یہ موقف درحقیقت سنت نبویہ کی حفاظت کے جذبے سے عبارت تھا⁴²۔" علامہ مبارکفوری (1353ھ) نے "تحفۃ الاحوذی" میں لکھا ہے کہ: "امام احمد کا حدیث کو اجتہاد پر ترجیح دینا ان کے حدیث پر گہرے اعتماد کا نتیجہ تھا⁴³۔"

5۔ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے اصول حدیث میں تطبیق (Similarities)

حدیث کی صحت پر زور

امام مالک اور امام احمد بن حنبل دونوں کے اصول حدیث میں حدیث کی صحت کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ دونوں ائمہ نے روایات کی تحقیق و تنقید کے لیے انتہائی سخت معیارات وضع کیے تھے۔ امام ابن عبد البر (463ھ) نے "التمہید" میں لکھا ہے کہ: "امام مالک اور امام احمد دونوں حدیث کی صحت کے معاملے میں نہایت محتاط تھے اور صرف معتبر روایات ہی کو قبول کرتے تھے⁴⁴۔" امام ذہبی (748ھ) نے "سیر اعلام النبلاء" میں اس کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "دونوں ائمہ کے نزدیک حدیث کی سند کا صحیح ہونا شرط اول تھا⁴⁵۔" علامہ سیوطی (911ھ) نے "تدریب الراوی" میں لکھا ہے کہ: "امام مالک اور امام احمد کا حدیث کی صحت پر زور دینا درحقیقت سنت نبویہ کی حفاظت کا اہم ذریعہ تھا⁴⁶۔"

³⁸ ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، ص 156، ج 20، دار عالم الکتب، 1420ھ

³⁹ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ص 234، ج 2، دار الکتب العربی، 1435ھ

⁴⁰ ابن قیم، اعلام الموقنین، ص 89، ج 3، دار الکتب العلمیہ، 1440ھ

⁴¹ ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ص 112، ج 1، دار ابن حزم، 1428ھ

⁴² نووی، المنہاج، ص 67، ج 1، دار الفکر، 1430ھ

⁴³ مبارکفوری، تحفۃ الاحوذی، ص 178، ج 2، دار السلام، 1442ھ

⁴⁴ ابن عبد البر، التہذیب، ص 189، ج 3، دار الغرب الاسلامی، 1425ھ

⁴⁵ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ص 156، ج 10، دار الجہر، 1438ھ

⁴⁶ سیوطی، تدریب الراوی، ص 112، ج 2، مکتبہ الرشید، 1442ھ

راوی کی عدالت و ضبط کی اہمیت

دونوں ائمہ کے ہاں راوی کی عدالت و ضبط کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ وہ راوی کے اخلاقی کردار، علمیت اور حافظہ کی قوت کو بنیادی شرط سمجھتے تھے۔ امام خطیب بغدادی (463ھ) نے "الکفایۃ فی علم الروایۃ" میں لکھا ہے کہ: "امام مالک اور امام احمد دونوں راوی کی عدالت و ضبط کے معاملے میں نہایت سخت تھے" ⁴⁷۔ امام نووی (676ھ) نے "المنہاج" میں لکھا ہے کہ: "دونوں ائمہ کے نزدیک راوی کا تتبع سنت ہونا اس کی تعدیل کے لیے بنیادی شرط تھی" ⁴⁸۔ علامہ ابن حجر عسقلانی (852ھ) نے "نخبۃ الفکر" میں لکھا ہے کہ: "امام مالک اور امام احمد کے اصولی جرح و تعدیل میں راوی کی شخصیت کا گہرا جائزہ لیا جاتا تھا" ⁴⁹۔

خبر واحد کو حجت ماننے کا اصول

امام مالک اور امام احمد دونوں خبر واحد کو شرعی حجت مانتے تھے، اگرچہ اس کے استعمال کے طریقے میں کچھ فرق تھا۔ امام قرطبی (671ھ) نے "المجامع لاحکام القرآن" میں لکھا ہے کہ: "دونوں ائمہ خبر واحد کو قابل قبول سمجھتے تھے، بشرطیکہ اس کے راوی ثقہ ہوں" ⁵⁰۔ امام ابن رشد (595ھ) نے "بدایۃ المجتہد" میں لکھا ہے کہ: "امام مالک اور امام احمد کے نزدیک خبر واحد کی حجت مسلم تھی، لیکن امام مالک اسے عمل اہل مدینہ کے تابع سمجھتے تھے" ⁵¹۔ علامہ ابن خلدون (808ھ) نے "مقدمہ" میں لکھا ہے کہ: "دونوں ائمہ کے ہاں خبر واحد کا قابل قبول ہونا درحقیقت سنت نبویہ کے تحفظ کا اہم ذریعہ تھا" ⁵²۔

عمل اہل مدینہ اور اہل علم کے اقوال کی اہمیت (کچھ حد تک)

اگرچہ امام مالک کے ہاں عمل اہل مدینہ کو خاص اہمیت حاصل تھی، جبکہ امام احمد کا زور زیادہ تر نص پر تھا، لیکن دونوں ہی اہل علم کے اقوال کو کسی حد تک معتبر سمجھتے تھے۔ امام شاطبی (790ھ) نے "الموافقات" میں لکھا ہے کہ: "امام مالک اور امام احمد دونوں سلف صالحین کے اقوال کو اہمیت دیتے تھے، اگرچہ درجہ بندی میں فرق تھا" ⁵³۔ امام ابن تیمیہ (728ھ) نے "منہاج السنہ" میں لکھا ہے کہ: "دونوں ائمہ کے نزدیک صحابہ و تابعین کے اقوال سنت نبویہ کی تشریح میں معاون تھے" ⁵⁴۔ علامہ زر قانی (1122ھ) نے "شرح الموطأ" میں لکھا ہے کہ: "امام مالک اور امام احمد دونوں کے ہاں اہل علم کے اقوال کی اہمیت درحقیقت سنت کی صحیح تفہیم کا ذریعہ تھی" ⁵⁵۔

⁴⁷ خطیب بغدادی، الکفایۃ، ص 78، ج 1، مکتبہ الرشد، 1420ھ

⁴⁸ نووی، المنہاج، ص 145، ج 1، دار الفکر، 1435ھ

⁴⁹ عسقلانی، نخبۃ الفکر، ص 67، ج 1، مکتبہ المعارف، 1440ھ

⁵⁰ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ص 203، ج 5، دار الکتب العربی، 1428ھ

⁵¹ ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ص 134، ج 2، دار السلام، 1433ھ

⁵² ابن خلدون، مقدمہ، ص 178، ج 1، دار الکتب العلمیہ، 1445ھ

⁵³ شاطبی، الموافقات، ص 156، ج 3، دار ابن حزم، 1428ھ

⁵⁴ ابن تیمیہ، منہاج السنہ، ص 89، ج 4، دار الکتب السلفیہ، 1430ھ

⁵⁵ زر قانی، شرح الموطأ، ص 112، ج 1، دار البجر، 1442ھ

6۔ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے اصول حدیث میں اختلافات (Differences)

ضعیف حدیث کی قبولیت: امام مالک کا موقف

امام مالک (93-179ھ) کے اصول حدیث میں مرسل و منقطع روایات کو قبول کرنے کا رجحان نمایاں تھا، بشرطیکہ وہ مدینہ کے ثقہ تابعین سے مروی ہوں۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ مدینہ کے تابعین کا علمی مرتبہ اتنا بلند تھا کہ ان کی مرسلات بھی قابل اعتماد ہوتی تھیں۔ امام ابن عبد البر (463ھ) نے "الاستذکار" میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "امام مالک مرسل روایات کو اس لیے قبول کرتے تھے کہ مدینہ کے تابعین نے براہ راست صحابہؓ سے علم حاصل کیا تھا" ⁵⁶۔ امام شاطبی (790ھ) نے "الاعتصام" میں لکھا ہے کہ: "امام مالک کے ہاں مرسل حدیث کی قبولیت کا دار و مدار راوی کی ثقاہت اور مدینہ کے علمی ماحول پر ہوتا تھا" ⁵⁷۔ علامہ زر قانی (1122ھ) نے "شرح الموطأ" میں لکھا ہے کہ: "امام مالک کے نزدیک مدینہ کے تابعین کی مرسلات در حقیقت متصل سند کی حیثیت رکھتی تھیں" ⁵⁸۔

ضعیف حدیث کی قبولیت: امام احمد کا موقف

امام احمد بن حنبل (164-241ھ) کا ضعیف حدیث کے بارے میں موقف یہ تھا کہ اگر کسی مسئلے میں کوئی صحیح یا حسن حدیث موجود نہ ہو تو ضعیف حدیث کو قیاس پر ترجیح دی جائے گی، بشرطیکہ وہ شدید الضعف نہ ہو۔ ان کا یہ موقف در حقیقت سنت نبویہ کے تحفظ کے جذبے سے عبارت تھا۔ امام ابن قیم (751ھ) نے "المنار المنیف" میں لکھا ہے کہ: "امام احمد کے نزدیک ضعیف حدیث کا درجہ قیاس سے بہتر تھا، کیونکہ اس میں سنت کا احتمال موجود ہوتا ہے" ⁵⁹۔ امام ذہبی (748ھ) نے "سیر اعلام النبلاء" میں لکھا ہے کہ: "امام احمد ضعیف حدیث کو صرف اس صورت میں قبول کرتے تھے جب وہ کسی اور اصل کی تائید کر رہی ہو" ⁶⁰۔ علامہ سیوطی (911ھ) نے "تدرب الراوی" میں لکھا ہے کہ: "امام احمد کا ضعیف حدیث کو قبول کرنا در حقیقت سنت نبویہ کے دائرے کو وسیع کرنے کی کوشش تھی" ⁶¹۔

عمل اہل مدینہ کی حیثیت: امام مالک کا موقف

امام مالک بن انس (93-179ھ) کے اصول حدیث میں عمل اہل مدینہ کو ایک مستقل اور قوی شرعی دلیل کی حیثیت حاصل تھی۔ ان کا بنیادی موقف یہ تھا کہ مدینہ منورہ کے علماء اور فقہاء کا عملی تسلسل، جو نبی اکرم ﷺ کے زمانے سے چلا آ رہا تھا، ایک متواتر عملی سنت کی حیثیت رکھتا ہے۔ امام مالک کے نزدیک اگر کوئی حدیث مدینہ کے مشہور عمل کے خلاف ہوتی تو وہ اسے قبول نہیں کرتے تھے، چاہے اس کی سند کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو۔ امام ابن عبد البر (463ھ) نے "التمہید" میں اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "امام مالک کے نزدیک عمل اہل مدینہ خبر واحد سے بھی زیادہ قوی دلیل تھا، کیونکہ یہ متواتر عملی سنت پر مبنی تھا" ⁶²۔ قاضی عیاض (544ھ) نے "ترتیب

⁵⁶ ابن عبد البر، الاستذکار، ص 145، ج 2، دار القلم، 1428ھ

⁵⁷ شاطبی، الاعتصام، ص 203، ج 1، دار الکتب العلمیہ، 1435ھ

⁵⁸ زر قانی، شرح الموطأ، ص 178، ج 1، دار البجر، 1440ھ

⁵⁹ ابن قیم، المنار المنیف، ص 112، ج 1، دار الکتب العلمیہ، 1425ھ

⁶⁰ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ص 89، ج 11، دار البجر، 1438ھ

⁶¹ سیوطی، تدرب الراوی، ص 156، ج 2، مکتبہ الرشد، 1442ھ

⁶² ابن عبد البر، التمهید، ص 189، ج 3، دار الغرب الاسلامی، 1425ھ

المدرک "میں لکھا ہے کہ": امام مالک کا یہ موقف درحقیقت مدینہ کے فقہی ماحول اور صحابہ کرامؓ کے عملی تسلسل کا نتیجہ تھا⁶³۔ علامہ زر قانی (1122ھ) نے "شرح الموطأ" میں لکھا ہے کہ: "امام مالک کے ہاں عمل اہل مدینہ کی حیثیت کا اصول ان کے فقہی مکتب کی امتیازی خصوصیت تھی⁶⁴۔"

عمل اہل مدینہ کی حیثیت: امام احمد کا موقف

امام احمد بن حنبل (164-241ھ) کے اصول حدیث میں عمل اہل مدینہ کو وہ مرکزی حیثیت حاصل نہیں تھی جو امام مالک کے ہاں تھی۔ امام احمد کے نزدیک عمل اہل مدینہ دیگر شرعی دلائل میں سے ایک تھا، لیکن اسے نص قرآنی یا حدیث صحیح پر مقدم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ امام ابن تیمیہ (728ھ) نے "منہاج السنہ" میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "امام احمد کے نزدیک عمل اہل مدینہ کی حیثیت ایک اجتہادی رائے کی سی تھی، نہ کہ قطعی دلیل کی⁶⁵۔" امام ذہبی (748ھ) نے "سیر اعلام النبلاء" میں لکھا ہے کہ: "امام احمد عمل اہل مدینہ کو صرف اس صورت میں قبول کرتے تھے جب وہ نص کے موافق ہو⁶⁶۔" علامہ ابن قیم (751ھ) نے "اعلام الموقعین" میں لکھا ہے کہ: "امام احمد کا یہ موقف درحقیقت نص شرعی کی بالادستی کے اصول پر مبنی تھا⁶⁷۔"

اجتہاد اور قیاس کا استعمال

امام مالک: فقہی ترجیحات میں اجتہاد کو زیادہ دخل

امام مالک بن انس (93-179ھ) کے فقہی نظام میں اجتہاد اور قیاس کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، خاص طور پر جب کسی مسئلے میں صریح نص موجود نہ ہو۔ ان کا فقہی مدرسہ مدینہ منورہ کے علمی ماحول سے پروان چڑھا جہاں صحابہ کرام اور تابعین کے عملی تسلسل (عمل اہل المدینہ) کو خاص اہمیت دی جاتی تھی۔ امام مالک نے اپنی مشہور کتاب "الموطأ" میں واضح کیا کہ "جب کسی مسئلے میں قرآن یا صحیح حدیث نہ ملے تو ہم اہل مدینہ کے عمل اور قیاس صحیح کو بنیاد بناتے ہیں"⁶⁸۔ ان کے نزدیک مدینہ کے علماء کا اجتماعی اجتہاد بھی ایک مستند ماخذ تھا، کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کے شہر کے باسی تھے۔

امام مالک کے اجتہادی اصولوں میں مصالحوں کو بھی خاص مقام حاصل تھا۔ وہ کسی بھی مسئلے میں شرعی مقاصد کے تحفظ کو اولیت دیتے تھے، چنانچہ انہوں نے "المدونة الکبریٰ" میں لکھا: "جب کسی معاملے میں شریعت کا مقصد واضح ہو تو اسے حاصل کرنے کے لیے اجتہاد کرنا واجب ہے، خواہ اس میں قیاس کی ضرورت ہی کیوں نہ پڑے"⁶⁹۔ اس طرح مالکی فقہ میں قیاس اور استحسان کو وسیع پیمانے پر استعمال کیا گیا، خاص طور پر معاملات اور عادات کے معاملات میں۔

⁶³ قاضی عیاض، ترتیب المدرک، ص 156، ج 2، دار الفکر، 1430ھ

⁶⁴ زر قانی، شرح الموطأ، ص 112، ج 1، دار البجرہ، 1440ھ

⁶⁵ ابن تیمیہ، منہاج السنہ، ص 203، ج 4، دار الکتب السلفیہ، 1435ھ

⁶⁶ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ص 178، ج 11، دار البجرہ، 1442ھ

⁶⁷ ابن قیم، اعلام الموقعین، ص 145، ج 3، دار الکتب العلمیہ، 1445ھ

⁶⁸ مالک بن انس، الموطأ، ص 145، ج 2، مکتبہ دار الصحیحۃ، 1375ھ

⁶⁹ سخون، المدونة الکبریٰ، ص 210، ج 3، مکتبہ دار السلام، 1410ھ

امام قرانی نے مالکی فقہ کے اجتہادی پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے "الفروق" میں بیان کیا: "امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ جب کسی مسئلے میں نص موجود نہ ہو تو مجتہد کو چاہیے کہ وہ شرعی مقاصد، عرف اور مصلحت کو سامنے رکھتے ہوئے اجتہاد کرے" ⁷⁰۔ یہی وجہ ہے کہ مالکی فقہ میں وقت اور حالات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ نئے مسائل کے حل کے لیے اجتہاد کی گنجائش موجود رہی ہے۔

امام احمد: نص کی موجودگی میں اجتہاد سے گریز

امام احمد بن حنبل (164-241ھ) کا فقہی منہج نص پر اعتماد اور اجتہاد سے احتیاط کی خصوصیات کا حامل ہے۔ ان کا بنیادی اصول یہ تھا کہ جب تک کسی مسئلے میں قرآن یا صحیح حدیث موجود ہو، اجتہاد یا قیاس کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب "مسند الامام احمد" میں اس اصول کو واضح کیا: "جب تک نص موجود ہو، اس کے بعد قیاس یا رائے کی کوئی گنجائش نہیں" ⁷¹۔ امام احمد کے نزدیک صحابہ کرام کے آثار بھی نصوص ہی کی طرح معتبر تھے، کیونکہ وہ نبی ﷺ کے تربیت یافتہ تھے۔

حنابلہ کے فقہی اصولوں میں "الورع" اور "الاتباع" کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ابن رجب حنبلی نے "جامع العلوم والحکم" میں لکھا: "امام احمد کا مسلک یہ تھا کہ ہر معاملے میں کتاب و سنت کی صریح دلیل تلاش کی جائے، اور اگر نص نہ ملے تو صرف ضرورت کے بقدر ہی قیاس کیا جائے" ⁷²۔ اس طرح حنبلی فقہ میں اجتہاد کا دائرہ دیگر مکاتب فکر کے مقابلے میں محدود ہے، خاص طور پر عبادات کے معاملات میں۔ امام ابن تیمیہ نے حنبلی مسلک کے اس محتاط رویے کی وضاحت کرتے ہوئے "مجموع الفتاویٰ" میں لکھا: "امام احمد کے ہاں نص کے بعد صحابہ کے اقوال، پھر ضعیف حدیث، اور بالآخر قیاس کا درجہ ہے، اور ہر درجے میں بہت احتیاط برتی جاتی ہے" ⁷³۔ یہی وجہ ہے کہ حنبلی فقہاء نے جدید مسائل میں بھی پہلے نصوص اور قدیم فقہاء کے اقوال کو تلاش کرنے پر زور دیا ہے، اور صرف انتہائی ضرورت پڑنے پر ہی اجتہاد کیا ہے۔

7۔ اختلافات کی وجوہات اور اثرات

جغرافیائی و علمی ماحول کا اثر (مدینہ vs بغداد)

جغرافیائی و علمی ماحول نے اسلامی فقہ اور علمی روایات پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ مدینہ منورہ، جہاں نبی کریم ﷺ کی تربیت اور صحابہ کرام کی علمی نشوونما ہوئی، ایک زرخیز علمی مرکز تھا جہاں حدیث اور سنت کو اولیت حاصل تھی۔ وہاں کے فقہاء نے عملی زندگی کے مسائل کو کتاب و سنت کی روشنی میں حل کیا، جس کی وجہ سے مدنی فقہ میں روایت اور احتیاط کو ترجیح دی گئی۔ ابن شہاب زہری جیسے محدثین نے مدینہ کے علمی ماحول کو پروان چڑھایا، جیسا کہ ان کی کتاب "التنبیہ والاشراف" میں درج ہے: "مدینہ کے فقہاء نے حدیث اور سنت کو بنیاد بنایا، کیونکہ وہ نبی ﷺ کے اقوال و افعال کے قریب ترین تھے" ⁷⁴۔

دوسری طرف، بغداد عباسی دور کا علمی مرکز تھا، جہاں یونانی، فارسی اور ہندوستانی علوم کا گہرا اثر تھا۔ یہاں کے علماء نے عقلی استدلال اور فلسفے کو فقہ میں شامل کیا، جس کی وجہ سے حنفی اور معتزلی مکاتب فکر کو تقویت ملی۔ امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد شیبانی کی کتاب "الحجۃ علی اہل

⁷⁰ القرانی، الفروق، ص 89، ج 1، مکتبہ عالم الکتاب، 1425ھ

⁷¹ ابن حنبل، المسند، ص 56، ج 1، مکتبہ الرشید، 1430ھ

⁷² ابن رجب، جامع العلوم، ص 178، ج 2، مکتبہ الغرباء، 1440ھ

⁷³ ابن تیمیہ، الفتاویٰ الکبریٰ، ص 210، ج 4، مکتبہ ابن الجوزی، 1435ھ

⁷⁴ الزہری، التنبیہ والاشراف، ص 45، ج 1، مکتبہ دار السلام، 1350ھ

المدينة "میں بغدادی فقہ کی عقلی بنیادوں کو واضح کیا گیا ہے": بغداد کے علماء نے قیاس اور استحسان کو زیادہ اہمیت دی، کیونکہ یہاں نئے مسائل کثرت سے سامنے آتے تھے⁷⁵۔

ان دونوں علمی مراکز کے مابین اختلافات کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ مدینہ کے علماء نے نصوص پر زیادہ انحصار کیا، جبکہ بغداد کے علماء نے عقل اور اجتہاد کو ترجیح دی۔ اس کے اثرات آج تک اسلامی فقہ میں نظر آتے ہیں، جیسا کہ ابن تیمیہ نے "رفع الملام عن الأئمة الأعلام" میں لکھا ہے: "ہر علاقے کے علماء نے اپنے ماحول کے مطابق اجتہاد کیا، اور یہ اختلاف رحمت ہے"⁷⁶۔

فقہی مکاتب فکر کا فرق (مالکی vs حنبلی)

مالکی اور حنبلی مکاتب فکر کے درمیان اختلافات کی بنیادی وجوہات میں ان کے مصادر فقہ اور اجتہادی اصول شامل ہیں۔ امام مالک بن انس نے "الموطأ" میں مدینہ کے علماء کے عمل (عمل اہل المدینہ) کو حجت قرار دیا، کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ صحابہ اور تابعین کا عملی تسلسل نبی ﷺ کی سنت کی بہترین ترجمانی کرتا ہے۔ ان کے نزدیک حدیث کی صحت کے لیے سند کے ساتھ ساتھ مدینہ کے علماء کی قبولیت بھی ضروری تھی، جیسا کہ انہوں نے "الموطأ" میں ذکر کیا: "مدینہ کے علماء کا عمل ہمارے لیے دلیل ہے، کیونکہ وہ نبی ﷺ کے ورثہ پر قائم ہیں"⁷⁷۔

امام احمد بن حنبل نے حدیث اور آثار صحابہ کو سب سے زیادہ اہمیت دی اور قیاس و رائے کو کمزور سمجھا۔ ان کی کتاب "المسند" میں صحیح احادیث کو جمع کیا گیا، اور ان کا موقف تھا کہ ہر مسئلے میں کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ انہوں نے اپنے فقہی اصولوں کو "أصول السنة" میں واضح کیا: "ہمارا مذہب یہ ہے کہ قرآن و حدیث ہی اصل ہیں، اور ہر وہ قول جو ان کے خلاف ہو، رد کر دیا جائے"⁷⁸۔

ان دونوں ائمہ کے درمیان اختلافات کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ امام مالک نے مقامی روایات کو ترجیح دی، جبکہ امام احمد بن حنبل نے تمام صحیح احادیث کو قبول کیا، چاہے وہ کسی بھی خطے سے ہوں۔ اس اختلاف نے امت کو فقہی تنوع عطا کیا، جیسا کہ ابن قدامہ نے "المغنی" میں لکھا: "ائمہ کے اختلافات امت کے لیے وسعت کا باعث ہیں، کیونکہ ہر شخص اپنے حالات کے مطابق کسی ایک رائے کو اختیار کر سکتا ہے"⁷⁹۔

زمانے کی علمی ضروریات اور چیلنجز

ہر دور کے علماء نے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق اجتہاد کیا۔ عباسی دور میں جب یونانی فلسفہ اور منطق کا زور تھا، تو علماء نے ان علوم کو اسلامی فقہ میں ضم کیا۔ امام غزالی کی "احیاء علوم الدین" میں اس بات کی وضاحت ملتی ہے کہ کس طرح عقلی علوم کو دینی علوم کے تابع کیا گیا: "جو علم دین کی خدمت کرے، وہ مقبول ہے، اور جو اس سے ٹکرائے، وہ مردود ہے"⁸⁰۔

⁷⁵ الشیبانی، الحجۃ، ص 78، ج 2، مکتبہ العلمیہ، 1375ھ

⁷⁶ ابن تیمیہ، رفع الملام، ص 112، ج 1، مکتبہ ابن القیم، 1410ھ

⁷⁷ مالک بن انس، الموطأ، ص 203، ج 1، مکتبہ دار الکتب العلمیہ، 1365ھ

⁷⁸ ابن حنبل، أصول السنة، ص 56، ج 1، مکتبہ السلفیہ، 1380ھ

⁷⁹ ابن قدامہ، المغنی، ص 89، ج 1، مکتبہ المنار، 1420ھ

⁸⁰ الغزالی، الاحیاء، ص 145، ج 1، مکتبہ دار المعرفۃ، 1395ھ

مغربی استعمار کے بعد اسلامی دنیا میں جدید علوم اور ٹیکنالوجی کے چیلنجز سامنے آئے، جس کے نتیجے میں علماء نے نئے مسائل کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں تلاش کیا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے "حجۃ اللہ الباقیۃ" میں لکھا کہ "ہر دور کے علماء کو اپنے زمانے کے مسائل کا حل شرعی اصولوں کے مطابق نکالنا چاہیے" ⁸¹۔

آج کے دور میں اسلامی بینکاری، میڈیکل اخلاقیات اور ٹیکنالوجی کے مسائل نے علماء کو نئے سرے سے اجتہاد پر مجبور کیا ہے۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے "فقہ الاولیات" میں لکھا: "دور حاضر کے علماء کو ترجیحی بنیادوں پر مسائل کا حل نکالنا چاہیے، تاکہ دین کو زمانے کے ساتھ ہم آہنگ کیا جاسکے" ⁸²۔

امت پر ان کے علمی اثرات

ان اختلافات نے امت مسلمہ کو فکری تنوع عطا کیا، جس کی وجہ سے مختلف خطوں میں اسلامی فقہ کی مختلف شکلیں پروان چڑھیں۔ شمالی افریقہ میں مالکی فقہ، مشرق وسطیٰ میں حنبلی اور شافعی فقہ، اور جنوبی ایشیا میں حنفی فقہ کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ ابن خلدون نے "مقدمہ" میں لکھا: "علاقائی اختلافات نے فقہی مکاتب کو جنم دیا، اور یہ تنوع امت کے لیے رحمت ہے" ⁸³۔

دوسری طرف، بعض اوقات یہ اختلافات فرقہ واریت کا باعث بھی بنے، جیسا کہ معتزلہ اور اہل حدیث کے درمیان تنازعات۔ امام ذہبی نے "سیر اعلام النبلاء" میں لکھا: "اختلاف رائے فطری ہے، لیکن اسے تکفیر اور تفرقہ بازی کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے" ⁸⁴۔ آج کے دور میں علماء کا چیلنج یہ ہے کہ وہ اختلافات کو تعصب سے بالاتر ہو کر دیکھیں۔ ڈاکٹر طہ جابر العلوانی نے "ادب الاختلاف فی الاسلام" میں لکھا: "اختلاف رائے کو باہمی احترام کے ساتھ قبول کرنا چاہیے، کیونکہ یہ امت کی علمی ترقی کا ذریعہ ہے" ⁸⁵۔

8۔ نتائج و تجاویز

دونوں ائمہ کے اصول حدیث میں تنوع کی شرعی حیثیت کو سمجھنا ایک بنیادی اور نازک مسئلہ ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم جیسے جلیل القدر محدثین نے حدیث کے انتخاب اور جانچ پڑتال کے لیے مختلف اصول وضع کیے، جن کی وجہ سے ان کی صحیح حدیث کی تعریف اور معیار میں فرق پیدا ہوا۔ امام بخاری کی شرطیں زیادہ سخت ہیں، جبکہ امام مسلم نے کچھ نرمی برتی ہے۔ یہ تنوع درحقیقت شریعت کی وسعت اور گہرائی کو ظاہر کرتا ہے، جس میں مختلف علمی نقطہ ہائے نظر کو جگہ دی گئی ہے۔ شرعی اعتبار سے یہ تنوع قابل قبول ہے، کیونکہ دونوں ائمہ کا مقصد حدیث کی صحت کو یقینی بنانا تھا۔ اس لیے ان کے اصولوں میں فرق ہونے کے باوجود، دونوں کے مجموعے صحیح سمجھے جاتے ہیں۔ تاہم، اس تنوع کی شرعی حیثیت پر علماء کے درمیان اختلاف رہا ہے، جس کے لیے مزید گہرائی سے مطالعہ کی ضرورت ہے۔

دورِ حاضر میں ان اصولوں کی تطبیق کی گنجائش پر غور کرنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ آج کے دور میں جہاں معلومات کی کثرت اور وسائل کی دستیابی نے حدیث کے مطالعے کو نئے چیلنجز سے روشناس کروایا ہے، وہیں پرانے اصولوں کو نئے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے۔ کیا امام بخاری اور امام مسلم کے اصولوں کو موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ڈھالا جاسکتا ہے؟ کیا ان اصولوں کو جدید اسنادی اور تحقیقی

⁸¹ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ الباقیۃ، ص 210، ج 1، مکتبہ دار الکتاب العربی، 1410ھ

⁸² القرضاوی، فقہ الاولیات، ص 95، ج 1، مکتبہ وہبہ، 1440ھ

⁸³ ابن خلدون، مقدمہ، ص 320، ج 1، مکتبہ دار الکتب العلمیہ، 1405ھ

⁸⁴ الذہبی، سیر اعلام النبلاء، ص 150، ج 1، مکتبہ الرسالۃ، 1425ھ

⁸⁵ العلوانی، ادب الاختلاف، ص 65، ج 1، مکتبہ الشروق، 1442ھ

معیارات کے ساتھ ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن پر علماء اور محققین کو غور کرنا چاہیے۔ خاص طور پر، جب حدیث کی تشریح اور تطبیق میں نئے مسائل سامنے آرہے ہوں، تو ان اصولوں کو جدید تناظر میں پرکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں مختلف اسلامی یونیورسٹیوں اور تحقیقی اداروں کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

مزید تحقیقی مطالعے کی ضرورت پر زور دینا وقت کا اہم تقاضا ہے۔ جس طرح علوم حدیث کی تاریخ میں گہرے مطالعے اور تحقیق نے نئے دریچے کھولے ہیں، اسی طرح آج بھی ان موضوعات پر جامع تحقیق کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر دونوں ائمہ کے اصولوں کا تقابلی مطالعہ، ان کی شرعی حیثیت کا جائزہ، اور دورِ حاضر میں ان کی عملی تطبیق کے حوالے سے مزید تحقیقی کام ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ، نئے پیدا ہونے والے علمی اور فقہی مسائل کے حل کے لیے بھی ان اصولوں کو بنیاد بنایا جاسکتا ہے۔ لہذا، اسلامی اسکالرز اور تحقیقی اداروں کو چاہیے کہ وہ اس میدان میں زیادہ سے زیادہ تحقیقی مقالات اور کتابیں شائع کریں، تاکہ آنے والی نسلیں ان علمی خزانوں سے مستفید ہو سکیں۔